

تفسیر قرآن میں ادب عربی سے استشاد: چند نمایاں عربی تفاسیر کا مطالعہ  
(Argumentation from Arabic Literature in Qur'ānic Exegeses: A  
Study of some notable Arabic Commentaries)

\* Mubashar Nazir

\*\* Dr. Zarin S Riaz

**Abstract**

Islamic sciences has a long tradition of argumentation from Arabic literature in the *Qur'ānic* exegeses. This article is a study of prominent Arabic commentaries in this regard. It explores that argumentation from Arabic literature in the interpretation of the *Qur'ānic* text started from the time of the companions of the Prophet and gradually developed. In present era, it is very common in exegetical literature. Commentators of the Quran, while interpreting *Qur'ānic* words and verses, frequently bring evidences from Arabic literary tradition. This trend has helped a lot in better understanding of the Quran. This tradition and its current study from the context of notable Arabic commentaries can be a rich source of guidance and inspiration for the learners of the Quran as well as its contemporary commentators.

**Key Words:** *Qur'ānic exegeses, Arabic literature, argumentation*

کسی بھی کلام کی تفہیم کے سلسلے میں عصری ادبی روایت کی اہمیت غیر معمولی ہوتی ہے۔ اس تناظر میں قرآن حکیم کی تفہیم کے لیے ابتدا ہی سے عربی شعر و ادب سے استشاد کیا جاتا رہا ہے۔ ابتدائی زمانے میں اگرچہ تفصیلی تفسیری اسکاٹ

\* PhD Scholar Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha

\*\* Ex Assistant Professor of Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha

نہیں ملتیں، تاہم ادبی اور معنوی لحاظ سے الفاظ قرآنی کی تشریح کا رویہ نمایاں نظر آتا ہے۔<sup>1</sup> حضرت عمر فاروق (م 24ھ) کو کثرت سے دورِ جاہلیت کے اشعار یاد تھے؛ آپ حسب موقع قرآنی الفاظ کی توضیح میں ان سے استدلال کیا کرتے تھے۔ جاحظ (م: 816ھ) کا خیال ہے کہ: "کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر"<sup>2</sup> "عمر بن خطاب لوگوں میں سب سے زیادہ شعر جاننے والے تھے۔" ابن رُشین کے مطابق حضرت عمر کو عرب کے مشہور شعرا کا کلام کثرت سے یاد تھا اور اس سلسلے میں ان کی خاص آرا بھی تھیں۔<sup>3</sup> امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق مجالس میں لوگوں سے الفاظ قرآن کی اشعار جاہلی سے توضیح کے لیے مذاکرہ کرتے تھے۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا: "یا ایہا الناس علیکم بدیوانکم شعرُ الجاهلیة فان فیہ تفسیر کتابکم و معانی کلامکم"<sup>4</sup> "اے لوگو! تمہارے پاس دورِ جاہلیت کے شاعری کے دیوان ہیں، اس سے تمہاری کتاب کی تفسیر اور معانی کی تفہیم ہوتی ہے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "الشعر دیوان العرب۔"<sup>5</sup> اشعار، عرب کا دیوان ہیں۔"

تفسیر قرآن میں کلام عرب سے استدلال و استشاد کا یہ سلسلہ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا تابعین اور تبع تابعین کے عہد درخشاں میں بھی جاری رہا۔ ان حضرات نے بھی لغت عرب میں مہارت اور کلام عرب سے استشاد کو تفسیر قرآن کے اہم ماخذ کی حیثیت دی۔ ان آئمہ نے یہاں تک کہا کہ لغت و ادب عربی کو جانے بغیر قرآن کی تفسیر جائز ہی نہیں۔ مثلاً امام مجاہد فرماتے ہیں: لایحل لاحد یومن باللہ والیوم الاخر ان یتکلم فی کتاب اللہ اذا لم یکن عالماً بلغة العرب۔<sup>6</sup> "کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو، جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے، ایسا شخص سزا کا مستحق ہے جو عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود کلام اللہ کی تفسیر کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ لغت عرب کا عالم نہ ہو۔" امام مالک بن انس (م 179ھ) فرماتے ہیں: لا اوتی برجل یفسر کتاب اللہ غیر عالم بلغة العرب الا جعلتہ نکالا۔ "امام محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ) فرماتے ہیں:

<sup>1</sup> اس ضمن میں تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے: روح اللہ نقشبندی، عہد رسالت کے مفسرین (کراچی: دار الاشاعت، 2010ء)،

<sup>2</sup> الجاحظ عمرو بن بحر، الیام والنہیین (بیروت: دار صعب، 1968ء)، 1: 163۔

<sup>3</sup> ابن رُشین ابی علی الحسن، کتاب العمدۃ (بیروت: دار المرفقہ، سن)، 1: 209۔

<sup>4</sup> ابی عبداللہ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لاحکام القرآن (قاہرہ: دار الکتب العربی، 1367ھ)، 10: 111۔

<sup>5</sup> بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن (قاہرہ: دار الکتب العربیہ، 1958ء)، 1: 293۔

<sup>6</sup> الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، 1: 292۔

فاقل ما في تلك المعاني المجتمعه المتشعبة انها بيان لمن خوطب بها ممن  
نزل القرآن بلسانه فتقاربة الاستواىء عنده وان كان بعضها اشد تاكيد بيان من  
بعض و مختلفة عند من يجهل لسان العرب-<sup>7</sup>

جب تک عبارت کو عربی ہی کے انداز میں فہم و تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی،  
کوئی شخص قرآن مجید کے بلیغ اسلوب اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکتا۔ قرآنی  
مفہوم و مطالب کے بہت سے گوشے اور پہلو ایسے ہوں گے جو اس کی عقل و فہم کی گرفت میں نہ آ  
سکیں گے۔

اہل علم نے ابتدائی عہد میں کلام عرب سے آیات قرآنی کی تفسیر کرنے والوں کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔ اس  
حوالے سے تفصیلات دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر عصر حاضر تک آیات و الفاظ قرآنی کی تفہیم کی  
غرض سے عربی ادب سے استدلال کی ایک طویل اور مضبوط روایت وجود میں آگئی ہے۔ ان سطور میں اس روایت کے  
حوالے سے چند اہم عربی تفسیر کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

### تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول تفسیری روایات پر مشتمل ہے۔ ان کو ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی  
الثانفی (م 817ھ) نے مرتب کیا ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے اس کا نام "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس"  
رکھا ہے۔ بعض حضرات نے ان سے روایت کرنے میں زیادتی سے کام لیا ہے اور کچھ باتیں گھڑ کر ان کی جانب منسوب  
کر دیں۔<sup>8</sup> اس تفسیر میں عربی ادب سے استدلال کے کی مثالیں ہیں، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس سے قرآن مجید کی  
آیت کریمہ: عَنِ الیمین و عَنِ الشِّمَالِ عَزِيزٌ<sup>9</sup> میں لفظ "عزیز" کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا "  
العزیز بمعنی حلق الرفاق"<sup>10</sup> "عزیز ساتھیوں یا دوستوں کا کسی کے گرد حلقہ لینے کو کہتے ہیں۔" اس کی تائید میں  
حضرت عبداللہ بن عباس نے عبید بن اللبرص کا یہ شعر بطور استشاد پیش کیا:

<sup>7</sup> محمد بن ادریس الثانی، الرسالة (بیروت: المكتبة العلمية، س۔ ن۔)، 41۔

<sup>8</sup> عبداللہ بن عباس، رئیس المفسرین، حبر الامم، ترجمان القرآن کی صحیح تفسیری روایات وہ ہیں، جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ  
کے ساتھ مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی جس روایت میں محمد بن سائب کلبی متوفی 146ھ اور محمد بن مروان السدی متوفی  
186ھ دونوں موجود ہوں وہ غایت درجہ کی ضعیف روایت ہے۔ بنا بریں اس کتاب میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں، اس لیے اس  
کتاب میں موجود جملہ تفسیری روایات کو حضرت عبداللہ بن عباس جیسی عظیم شخصیت کی روایات قرار دینا مناسب نہیں۔

<sup>9</sup> المعارج 70: 37۔

<sup>10</sup> ابوطاہر محمد یعقوب الفیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس (ملتان: فاروقی کتب خانہ، س۔ ن۔)، 368۔

فجاءوا يُهْرَعُونَ اليه حتى يكونوا حول منبره عزينا<sup>11</sup>

وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے تاکہ اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے تفسیر قرآن سے متعلق سوال و جواب شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر ایک خارجی سردار نافع بن الارزق نے اپنے ساتھی نجدہ بن عویمر سے کہا کہ آؤ میرے ساتھ اس شخص کے پاس جو قرآن کی تفسیر کرنے کی جرات کر رہا ہے، حالانکہ اس کے پاس تفسیر قرآن کا علم نہیں ہے۔ وہ دونوں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے کتاب اللہ سے متعلق کچھ باتیں دریافت کریں گے۔ آپ ان کا مطلب سمجھائیں اور آپ جو تفسیر بیان کریں، اس کی تصدیق کے لیے کلام عرب سے نظیر بھی پیش کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جو تمہارے ذہن میں آئے، بے تکلف پوچھو۔ نافع بن الارزق نے تقریباً دو صد سوال کیے۔<sup>12</sup> (جو کافی کتابوں میں مروی ہیں)۔ نافع نے سوال کیا: **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ**<sup>13</sup> کی تفسیر کیا ہے؟ اور "الْوَسِيلَةَ" کا معنی کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ "الْوَسِيلَةَ" بمعنی حاجت ہے۔ نافع نے کہا کہ کیا اہل عرب اس کا استعمال جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، دیکھو عسترہ کا یہ شعر:

ان الرجال لهم اليك وسيلة  
ان ياخذوك تكحلي و تخضبي<sup>14</sup>

بے شک مردوں کو تیرے حصول کی ضرورت اور حاجت ہے، جس وجہ سے وہ تیری طرف جھکے

ہیں، تو سرمہ اور مہندی لگا۔

معانی القرآن از ابوز کریا یحییٰ بن زیاد الفراء (م 207ھ)

تفسیر معانی القرآن میں صاحب تفسیر ابوز کریا نے یحییٰ بن زیاد الفراء کے یہاں بھی قرآن مجید کے معانی و تفسیر کے لیے عربی ادب سے استدلال واضح ہے۔ وہ ارشاد باری تعالیٰ: **فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى**<sup>15</sup> کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اذا صار النبات يبساً فهو غُثَاءٌ و الاحوى الذى قد اسود من العتق<sup>16</sup> "جب جڑی بوٹیاں خشک ہو جائیں تو غُثَاءٌ کہلاتی ہیں اور جو قدیم ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی ہوں، احوی کہلاتی ہیں۔"

غریب القرآن از ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قننہ (م 286ھ)

<sup>11</sup> الدکتور جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (دار ساقی، 1422ھ) 16: 298-

<sup>12</sup> جلال الدین عبدالرحمن السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن (لاہور: سہیل اکیڈمی، 1980ء) 1: 119-

<sup>13</sup> المائدہ 5: 53-

<sup>14</sup> السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، 2: 174-

<sup>15</sup> الاعلیٰ 87: 5-

<sup>16</sup> ابوز کریا یحییٰ بن زیاد الفراء، معانی القرآن (تہران: انتشارات ناصر خسرو، س۔ن۔)، 3: 254-

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے بھی غریب الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے عربی ادب سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعلیٰ کی مذکورہ بالا آیت: **فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ** کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔ "غثاء: ای بیسا۔ احوی۔ اسود من قدمہ و احتراقہ" <sup>17</sup> غثاء کا معنی ہے: خشک ہونا، اور احوی جو قدیم ہونے اور جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی ہوں۔ ان دونوں کے معانی میں تقریباً موافقت موجود ہے۔

تفسیر طبری از ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م 310ھ)

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کا شمار نامور مفسرین میں ہوتا ہے۔ ان کی یہ تفسیر، تفسیر بالماثور کہلاتی ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے عربی ادب سے بھی بہت سی جگہوں پر استدلال و استشاد کیا ہے۔ وہ جا بجا عربی اشعار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً: **وَأَوْلَيْكَ هُمْ الْمُفْلِحُونَ** <sup>18</sup> میں "الفلاح" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ومن الدلالة على ان احد معاني الفلاح، ادراك الطلبة والظفر بالحاجة** <sup>19</sup> اس کے معانی میں ایک یہ ہے کہ اپنی مطلوب چیز کو پالینا اور اپنی حاجت میں کامیاب ہو جانا۔ "پھر بطور استشاد لبید بن ربیعہ کا یہ شعر پیش کیا ہے:

اعقلی ان كنت لما تعقلی ولقد افلح من كان عقل <sup>20</sup>

سمجھ اگر تو سمجھنا چاہتی ہے، تحقیق وہ کامیاب ہو جاتا ہے، جو عقل رکھتا ہے۔

تفسیر بغوی از ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی (م 516ھ)

"معالم التنزیل"، جو تفسیر بغوی کے نام سے معروف ہے، میں بھی جا بجا عربی ادب سے استدلال کی امثلہ موجود ہیں۔ مثلاً **وَالْمَطْلَقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ** <sup>21</sup> میں لفظ قروء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **هو الوقت المجدى الشى و ذهابه يقال رجع فلان لقرعة** <sup>22</sup> "لفظ قروء کے معنی کسی چیز کے آنے اور جانے کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی استشاد کے طور پر مالک بن الحارث کا یہ شعر پیش کرتے ہیں:

كرهت العقر عقر بنى شليلاذا هبت لقارءها الرياح <sup>23</sup>

<sup>17</sup> عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، تفسیر غریب القرآن (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1987ء)، 524۔

<sup>18</sup> البقرہ 2: 5۔

<sup>19</sup> ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (مصر: المكتبة البانی الحلبي، 1954ء)، 1: 108۔

<sup>20</sup> عبدالقادر بن عمر البغدادي، خزائن الادب ولب لباب لسان العرب (القاهرة: مكتبة الميائني، 1997ء)، 9: 297۔

<sup>21</sup> البقرہ 2: 228۔

<sup>22</sup> ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی، معالم التنزیل (بیروت: دار الفکر، 1979ء)، 1: 225۔

<sup>23</sup> ابو عبداللہ محمد بن مسلم بن قتیبہ، المعانی الکبیر فی ابیات المعانی (حیدرآباد دکن: مکتبہ دائرہ المعارف العثمانیہ، 1949ء)، 2:

جس وقت بنو شلیل کے علاقے "العقیر" میں ہوائیں چلتی ہیں، تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔

تفسیر رازی از امام فخر الدین ضیاء الدین عمر الرازی (م 206ھ)

تفسیر رازی یا "تفسیر الکبیر و مفاتیح الغیب" میں بھی کئی مقامات پر عربی ادب سے استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً الا انهم هم السفهاء<sup>24</sup> میں "سفه" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے "الخفہ" مراد ہے، اور بطور استشاد یہ شعر پیش کرتے ہیں:

جودین کما اہتزت رماح تسفہتا عالیہا مرا الریاح النواسم<sup>25</sup>

وہ (عورتیں) اس طرح چلیں جیسے نسیم سحر کے چلنے سے ٹہنیوں کے اوپر والے حصے آہستگی سے حرکت

کرتے ہیں۔

الجامع لاحکام القرآن از ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م 671ھ)

علامہ قرطبی نے بھی اپنی اس تفسیر میں عربی لغت و ادب سے جگہ جگہ استدلال فرمایا ہے۔ ان الذین کفروا سواء علیہم<sup>26</sup> میں لفظ "کفر" پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اصل الکفر فی کلام العرب الستر و التفتیۃ<sup>27</sup> "کلام عرب میں کفر سے مراد پردہ ڈالنا اور کسی چیز کو چھپا دینا ہے۔" پھر ایک شاعر کا یہ قول بطور استشاد پیش کرتے ہیں: فی لیلۃ کفر النجوم غمامها<sup>28</sup> "اسی بنا پر کہ رات میں بادلوں نے ستاروں کو چھپا دیا اور رات اپنی سیاہی سے ہر چیز کو چھپا لیتی ہے۔" ایک مقام پر دستہزیء بہم<sup>29</sup> کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ، عرب میں عام استعمال ایسے ہوتا ہے کہ گناہ کی سزا اور بدلے میں وہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جو جرم کے لیے استعمال کیا گیا ہو جیسا کہ عمرو بن کلثوم کا یہ شعر:

آلَا یجہلنّ احدًا علینا فنجہل فوق جہل الجاہلینا<sup>30</sup>

خبردار! کوئی ہم پر (حملہ کرنے کی) بیوقوفی نہ کرے، وگرنہ ہم سب سے بڑے جاہل ثابت ہوں

گے۔

<sup>24</sup> البقرة: 2: 13-

<sup>25</sup> ابو العباس محمد بن یزید المبرد، الكامل فی اللغة والادب (القاهرہ: دار الفکر العربی، 1997ء)، 2: 105-

<sup>26</sup> البقرة: 2: 6-

<sup>27</sup> ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (مصر: دار الکتب العربی، 1967ء)، 1: 183-

<sup>28</sup> ابو منصور عبد الملک بن محمد بن اسماعیل، لباب الآداب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1997ء)، 1: 130-

<sup>29</sup> البقرة: 2: 15-

<sup>30</sup> الشیخ احمد ابن الشنقیطی، المعلقات الشعر و اخبار شعراءها (مصر: المکتبۃ التجاریۃ، س-ن)، 113-

سوال اللہ تعالیٰ کا ان سے استہزا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ان سے انتقام لے گا۔ چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا: فینتقم منهم و يعاقبهم و يسخر بهم و يجازيهم۔<sup>31</sup> " اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا اور ان کو سزا دے گا اور مذاق کرے گا اور ان کو بدلہ دے گا۔ "

تفسیر خازن از علماء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی (م 725ھ)

تفسیر خازن یا "لباب التاویل فی معانی التنزیل" میں بھی مفسر نے لغت عرب اور ادب عربی کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں "بَلْ مَلَأَ مَلَائِكَةُ اِيْنَاهِم حَنِيْفًا"<sup>32</sup> میں لفظ حنیف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اصله من الحنف و هو ميل و اعوجاج يكون في القدم قال ابن عباس الحنيف المائل عن الاديان كلها الى دين الاسلام<sup>33</sup> "حنیف حنف سے ہے، اس کا معنی مائل ہونا اور ٹیڑھ پن جو قدم میں ہوتا ہے، ابن عباس فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ تمام ادیان باطلہ کو چھوڑ کر اسلام کی طرف مائل ہو جانا۔" پھر اس معنی پر بطور استشاد یہ شعر پیش کیا ہے:

وكنا خلقنا اذ خلقنا حنيفاً ديننا عن كل دين<sup>34</sup>

ہماری تخلیق جب سے ہوئی ہے ہم ہر دین سے الگ تھلگ ہو کر اپنے دین پر کار بند ہیں۔

بحر المحیط از ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی (م 754ھ)

ابو حیان اندلسی اپنی کنیت ابو حیان کا شمار نحو و لغت کے مشہور ائمہ میں ہوتا ہے۔ اس تفسیر میں بھی جا بجا عربی ادب سے استدلال موجود ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اغْبُدُوا لِلَّذِي خَلَقَكُمْ<sup>35</sup> کے تحت لفظ "خلق" کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الخلق: الاختراع بلامثالٍ واصله التقدير خلقت الاديان قدرته"<sup>36</sup> "خلق کا معنی بغیر سابقہ مثال کے کسی چیز کا اختراع ہوتا ہے۔ اس کی اصل تقدیر ہے جیسا کہ عرب میں استعمال ہوتا ہے: تو نے چمڑے کو بنایا یعنی اس کو مقدر کیا۔ اور اس کی تائید میں زہیر بن ابی سلمی (م: 116ھ) کا یہ شعر پیش کیا ہے:

<sup>31</sup> ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (مصر: دارالکتب العربی، 1967ء)، 1: 207۔

<sup>32</sup> البقرہ 2: 135۔

<sup>33</sup> علماء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، تفسیر خازن (بیروت: دارالفکر، 1979ء)، 1: 115۔

<sup>34</sup> البغدادی، تفسیر خازن، 1: 116۔

<sup>35</sup> البقرہ 2: 21۔

<sup>36</sup> ابن حیان، البحر المحیط، 1: 93۔

ولانت نفری ما خلقت و بعض القوم یخلق ثم لایفری<sup>37</sup>

اور البتہ تو جو بناتا ہے اپنا کام بخوبی کرتا ہے۔ اور تیرے علاوہ بعض کو شش تو کرتے ہیں لیکن اپنا کام بہتر نہیں کر سکتے۔

تفسیر القرآن العظیم از حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الشافعی (م 774ھ)

علامہ ابن کثیر بھی قرآنی آیات کی تفسیر متعدد جگہ ادب عربی سے استدلال کرتے ہیں۔ لَا یَرْقُبُونَ فِی مُؤْمِنٍ إِلَّا وَ لَا ذِمَّةً<sup>38</sup> میں لفظ "الا" کا ترجمہ قرابت داری کو عربی اشعار سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے "الا" کا معنی قرابت اور "ذمہ" کا معنی عہد لیا ہے۔ نمیم بن مقبل کے درج ذیل شعر میں بھی "الا" کا معنی قرابت داری ہے:

أَفْسَدَ النَّاسَ خُلُوفُ خَلْفُوا قَطَعُوا الْإِلَّا وَ اغْرَاقَ الرَّحِمِ

نااہل جانشینوں نے لوگوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جنہوں نے قرابت داری اور رشتہ داری کی رگوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

اسی طرح حسان بن ثابت کے اس شعر میں بھی معنی قرابت داری مراد ہے:

وجدنا ہم کاذبا الهم و ذوالا والعهد لایکذب<sup>39</sup>

ہم نے انھیں جھوٹ اور فریب پر مبنی رشتہ داری والا پایا اور رشتہ داری اور عہد و پیمان والا شخص جھوٹ نہیں بولتا۔

فتح القدير از محمد بن علی الشوکانی (م 1250ھ)

صاحب فتح القدير بھی متعدد مقامات پر عربی ادب سے استشاد کرتے نظر آتے ہیں۔ وادکر بعد امة<sup>40</sup> میں لفظ "امة" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ای بعد حین "کچھ وقت گزرنے کے بعد یاد آیا۔" والامة الجماعة الکثیرة من الناس<sup>41</sup> امت کا لفظ لوگوں کی بڑی جماعت پر بھی بولا جاتا ہے۔ "پھر بطور استشاد امام انخفش کا قول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: هو فی اللفظ واحد و فی المعنی جمع<sup>42</sup> "یہ لفظی اعتبار سے واحد اور معنوی طور پر جمع

<sup>37</sup> عبد اللہ بن مسلم بن قنبر، الشعر والشعراء، 1: 139۔

<sup>38</sup> التوبہ: 9: 10۔

<sup>39</sup> طبری، تفسیر طبری، 10: 85۔

<sup>40</sup> یوسف: 21: 45۔

<sup>41</sup> محمد بن علی الشوکانی، فتح القدير (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س-ن)، 3: 31۔

<sup>42</sup> الشوکانی، فتح القدير، 3: 13۔

ہے۔ "اس کے ساتھ ہی قراءت بھی ذکر کی ہے کہ ابن عباس اور عکرمہ اسے ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھتے تھے، اور بطور استشاد یہ شعر پیش کیا ہے:

أمهت و كنت لا انس حديث كذلك الدهر يودي بالعقول

میں بھول گیا حالانکہ میں کوئی بات نہیں بھولتا۔ زمانہ اس طرح ہے جو عقول سے ہلاک کر دیتا ہے۔

روح المعانی از علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی (م 1270ھ)

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی " میں علامہ آلوسی بھی بکثرت عربی ادب سے استشاد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ<sup>43</sup> میں لفظ "رزق" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والرزق بالفتح لغة الاعطاء لما ينتفع الحيوان به و قيل الاصل الرزق الحظ و يستعمل بمعنى المرزوق المنتفع به۔<sup>44</sup> "رزق فتح کے ساتھ، اس کا معنی وہ چیزیں عطا کر دینا ہے، جن سے جاندار فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رزق کا اصل مفہوم حصہ ہوتا ہے۔ اور اس چیز کے بارے میں بھی استعمال ہوتا ہے جو بطور رزق دی جاتی ہے۔" سورة البقرة کی آیت: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ<sup>45</sup> میں لفظ "ناس" کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وهو ماخوذ من الانس ضد الوحشة لانسه بجنسه لانه مُدَنِي بالطبع<sup>46</sup> "یہ انس و محبت سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ یہ اپنے ہم جنس سے بہت جلد مانوس ہو جاتا ہے اور طبعی طور پر مل جل کر رہنے والا ہے۔" اور بطور استشاد یہ شعر تحریر فرمایا ہے:

وما سمي الانسان الا لانسه ولا القلب الا انه يتقلب<sup>47</sup>

انسان کا نام صرف اس کے مانوس ہونے کی وجہ سے رکھا جاتا ہے۔ اور دل کو دل اس لیے کہتے ہیں

کہ وہ حرکت میں رہتا ہے۔

فی ظلال القرآن از سید قطب شہید (م 1385ھ)

عربی تفاسیر میں "فی ظلال القرآن" بعض منفرد خصوصیات کی وجہ سے اپنی الگ حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مولف علامہ سید قطب شہید تفسیر قرآن میں رائے کو بالکل کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ خود فرماتے ہیں: اننی لم اجد نفسی مرة واحدة فی حاجة الی نص واحد خارج هذا القرآن فی ماعدا قول رسول الله ﷺ و هو من اثار لهذا القرآن۔"

<sup>43</sup> البقرة 2: 3-

<sup>44</sup> ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی، روح المعانی (ملتان: مکتبہ امدادیہ، س۔ن۔)، 1: 117-

<sup>45</sup> البقرة 2: 8-

<sup>46</sup> آلوسی، روح المعانی، 1: 117-

<sup>47</sup> ابو علی نور الدین حسن بن مسعود، زہراء الاکم فی الامثال والحکم (المغرب: دار الشافعیہ، 1981ء)، 1: 30-

میں نے کبھی قرآن سے باہر کسی نص کی ضرورت محسوس نہیں کی سوائے رسول اکرم ﷺ کے قول کے، وہ تو حقیقتاً خود آثار قرآن میں سے ہیں۔ " لیکن سید قطب اپنی اس تفسیر میں الفاظ قرآنی کی وضاحت کے لیے ادب عربی سے استفادہ کرتے ہیں۔ مثلاً: وَعَيْنًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا<sup>48</sup> کی وضاحت میں فرماتے ہیں: القصبُ هو كل ما يوكل رطباً غصبا من الخضر التي تقطع مرة بعد اخرى و غلبا جمع غلباء اي صخمة عظيمة ملتفة الاشجار و الاب اغلب الظن انه الذي ترعاه الانعام۔ " قصب وہ چارہ جو تروتازہ کھایا جاتا اور یکے بعد دیگرے کاٹا جاتا ہے، غلباً بڑے بڑے درخت اور اب وہ جس کو چوپائے کھاتے ہیں، اسی طرح ائخذوا آخباتهم وَزُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ<sup>49</sup> میں احبار و رہبان کی وضاحت یوں ہے: الاحبار: جمع حبر او حبر بفتح الحاء او بکسرھا، وهو العالم من اهل الكتاب و كثر اطلاقه على علماء اليهود۔<sup>50</sup> والرهبان: جمع راهب، وهو عند النصارى المتبتل المنقطع للعبادة: وهو عادة لايتزوج ولا يزاول الكسب، ولا يتكلف للمعاش<sup>51</sup> " احبار، حبر کی جمع ہے، یہ اہل کتاب کے علما کو خاص کر یہود کے علما کو کہا جاتا ہے اور رہبان راہب کی جمع ہے، یعنی تارک الدنیار و لیش و عابد جو عادتاً نکاح، کسب معاش اور دیگر امور سے بے نیاز ہوتا ہے۔ "

سید قطب کا عربی اشعار سے استدلال کا اسلوب دیگر مفسرین سے ہٹ کر ہے۔ آپ قرآنی مفہوم کی وضاحت کے لیے کسی نسبت کے سبب شعر پیش کرتے ہیں، عموماً بعینہ الفاظ کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ مثلاً وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ<sup>52</sup> "پچاس کم ہزار سال، یہ حضرت نوح علیہ السلام کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ساڑھے نو سو سال زندہ رہے۔ بلکہ اتنی مدت انھوں نے تبلیغ کی۔ یہ مدت آج کل میں غیر معروف نظر آتی ہے، لیکن اس اعتبار سے ایک اٹل حقیقت بھی ہے کہ اس کا تذکرہ کائنات کی سب سے سچی کتاب قرآن مجید میں موجود ہے۔ تفسیر ظلال القرآن کے مطابق کائنات میں ایک دوسرا اصول بھی کار فرما ہے۔ کہ جب عدد اور نسل کم ہو تو عمریں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ گدھ، سانپ اور کچھوا وغیرہ ان کی عمریں بسا اوقات سیکڑوں سال سے بھی متجاوز ہوتی ہیں، جب کہ اس کے برعکس مکھی کو دیکھیں لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہے اور عمر صرف چند دن ہوتی ہے۔ سید قطب نے اسی مفہوم کی تائید میں یہ شعر پیش کیا ہے:

<sup>48</sup>عبس 80: 28-30۔

<sup>49</sup>التوبة 9: 31۔

<sup>50</sup>احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغة (مصر: مکتبہ البانی الحلبي، 1969ء)، 2: 101۔

<sup>51</sup>الافریقی، لسان العرب، 1: 436۔

<sup>52</sup>العنکبوت 29: 14۔

بغات الطیر اکثرها فراخا وام الصقر مقلات نرو<sup>53</sup>

کمزور پرندوں کے چوزے زیادہ ہوتے ہیں مگر شکرے کی ماں کے چوزے کم ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ<sup>54</sup> کے تحت فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں شراب جاہلیت کے سماج کا ایک نمایاں مظہر اور معاشرے کی روایات کا ایک حصہ تھا۔ عرب شاعری شراب کے تذکرے سے بھری پڑی ہے۔ اور عرب شعرا نے اسے بطور فخر کے ذکر کیا ہے۔ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔ پھر سید قطب نے اس کی تائید میں لبید (661ء) اور امرء والقیس (م 540ء) کے یہ اشعار پیش کیے ہیں:

قدبت سامرها، وغاية تاجر وافيت ، اذ رفعت، وعز مدامها<sup>55</sup>

میں نے رات قصہ گو کے ساتھ گزاری اور اس کی تجارت صرف شراب تھی اور میں نے اس کی موافقت کی جب میں نے مسلسل شراب پی۔

مجالس شراب کے تذکرے اور ان پر فخر کرنا بھی عرب میں عام تھا جیسا کہ امرء والقیس کے یہ اشعار:

واصبحت ودعت الصباغى راننى اراقب خللات من العيش اربعا

فمنهن " قولى للندامى ترفقوا يداجون نشاجا من الخمر مترعا

اومنهن : ركض الخيل ترجمم بالقنا يباردن سرىا امنا ان يفرعا<sup>56</sup>

میں مسلسل پیتا ہوں ہر چھوٹے اور بڑے کے ساتھ اور جب نشہ میں ہوتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ خورنق اور سدیر کا مالک میں ہی ہوں اور جب ہوش مس ہوتا ہوں تو میں اپنے آپ کو بکریوں اور اونٹوں کا مالک سمجھتا ہوں۔

سید قطب نے سکر کا معنی عربی ادب کے مطابق نشہ ہی کیا ہے، مگر ساتھ ہی جاہلی شاعری سے جاہلی معاشرے کی تصویر کشی فرماتے ہوئے واضح کیا ہے کہ شراب ان کی زندگیوں کا ایک حصہ بن چکی تھی، بلکہ لوگ اپنے بچوں کو پیاسا رکھ کر شراب کا عادی بنایا کرتے تھے، اور یہ ان کے لیے قابل فخر چیز تھی۔

تفسیر ابن عاشور از محمد طاہر ابن عاشور (م 1393ھ)

<sup>53</sup> مسعود، زہراء الا کم فی الامثال والحکم، باب ان البغات بارضنا یستسر، 1: 24۔

<sup>54</sup> النساء، 4: 43۔

<sup>55</sup> الحسین بن احمد بن الحسین الزوزنی، شرح المعلقات السبع للزوزنی (دار احیاء التراث العربی، 2002ء)، معلقہ لبید بن ربیعہ شعر نمبر

<sup>56</sup> دواوین الشعر العربی علی مر العصور، 284۔

تفسیر ابن عاشور یا "التحریر و التنبؤیر" میں بھی صاحب تفسیر نے عربی زبان و ادب سے بہت استشاد کیا ہے۔ کتاب کی تقدیم میں خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس تفسیر میں مفردات کے معانی لغۃ العربیۃ سے نوٹ کرنے کی کوشش کی ہے، اور عربی زبان و ادب سے بھی استفادہ کیا ہے تاکہ معانی و مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔<sup>57</sup> مثلاً مالک یوم الدین<sup>58</sup> میں لفظ "مالک" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مالک" یہاں بادشاہ اور قدرتِ کاملہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس میں عدل و انصاف کا مفہوم بھی شامل ہے۔<sup>59</sup> اور بطور استشاد حارث بن حلزہ (م 570) کا یہ شعر پیش کیا ہے۔ جو انھوں نے حیرہ کے بادشاہ عمر بن ہند کی مدح کرتے ہوئے کہا تھا:

ملک مقسط و افضل من یم شیء و من دون ما لدیہ الثناء<sup>60</sup>

وہ انصاف پسند بادشاہ ہے۔ وہ ہر قابلِ تعریف شخص اور زمین پر چلنے والے پر فوقیت رکھنے والا ہے۔

### خلاصہ بحث

اس مضمون میں عربی زبان کی چند معروف تفاسیر سے ادب عربی سے استدلال کی امثلہ ذکر کی گئی ہیں، جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تفسیر قرآن میں عربی ادب سے استشاد اور استدلال کا سلسلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہمایوں سے شروع ہو کر بتدریج پروان چڑھتا رہا ہے۔ دورِ حاضر میں یہ سلسلہ اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ اب تفسیر قرآن میں کلامِ عرب سے عام استشاد کیا جا رہا ہے، اور اس سے وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ تفسیر قرآن میں عربی ادب سے استدلال کی اس روایت اور اس کے زیرِ نظر مطالعے میں قرآن کے طالب علموں اور جدید مفسرین قرآن کے لیے رہنمائی کا بہت سا سامان پایا جاتا ہے۔

<sup>57</sup> ابن عاشور محمد بن طاہر، التحریر و التنبؤیر (بیروت: موسسة التاریخ، 2000ء)، 1: 8۔

<sup>58</sup> الفاتحہ 1: 3۔

<sup>59</sup> ابن عاشور محمد بن طاہر، التحریر و التنبؤیر، 1: 8۔

<sup>60</sup> علی الجندی، فی تاریخ ادب الجاہلی (بیروت: دار التراث، 1991ء)، 1: 328۔